Mairaj
Vol 3, Issue 1
https://www.mairaj.pk editor.mairaj@gmail.com
ISSN Online 2959-2089 ISSN Print 2959-2070

ڈاکٹر عبدالواجد
اسسٹنٹ پروفیسر اردو شعبہ پاکستانی زبانیں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

اقبال کی ایک داخلی تصویر: سلیم احمد کی نظر میں

Dr. Abdul Wajid
Assistant Professor Urdu Department of Pakistani Languages Allama Iqbal Open University Islamabad

An inside image of Iqbal: In the eyes of Salim Ahmad

Saleem Ahmed is a renown Urdu critic, along with this he has also written creative criticism. In his books: Iqbal, ak Shair, gained great fame. In this, he saw Iqbal in a different way and raised criticism and made various kinds of objections on Iqbal's poetry and thought. This article is the study and answer of such kind of objections which He has made on the poetry and thought of Iqbal.

Keywords: criticism, Allama Iqbal , Saleem Ahmed , Renown, Iqbal poetry

''اقبال کی ایک داخلی تصویر اقبال۔ایک شاعر'' کا تیسرا مضمون ہے۔اس مضمون میں سلیم احمد نے اقبال کی تشکیل جدید کی ایک دلچسپ کوشش کی ہے۔اقبال کی ایک عام تصویر جس میں وہ شال اوڑھے بیٹھے ہیں کو موضوع بحث بناتے ہوئے، سلیم احمد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ تصویر ایک بے عمل لیکن فکر سے معمور شخص کی لگتی ہے۔ مسولینی سے اقبال کا کسی زمانے میں بہت تعلق رہا تاہم سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا وہ اقبال پر کسی معاملے میں برتری رکھتا ہے۔دوسرے با عمل اہل فکر سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔اقبال کا جواب اثبات میں ہے یعنی ''لاکھ حکیم سر بجیب،ایک کلیم سر بکف'' اقبال با عمل کو اہل فکر سے برتر قرار دیتے ہیں،اس کی چند وجوہات کچھ یوں ہیں۔

حضرت علیؓ کو مسلمانوں کے پہلے فقیہ، متکلم اور ماہر لسانیات ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف، جرنیل اور فاتح ہیں۔اقبال نے حضرت علیؓ کی ذات میں زور حیدری کو تو دیکھا ہے فکر حیدری کو نہیں دیکھا۔

سلیم احمد کا یہ کہنا کچھ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اقبال نے اپنی مثنوی ''اسرار خودی'' میں حضرت علیؓ کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو جن میں زور حیدری کے علاوہ دیگر پہلو بھی ہیں پیش کرتے ہوئے بعض فلسفیانہ نکتے اخذ کیے ہیں۔اس ضمن میں انھوں نے حضور ﷺ کے اس ارشاد کو ''انا مدینۃ العلم و علی بابہا''(جامع ترمذی)یعنی میں علم و حکمت کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔'' بڑی خوبصورتی سے نظم کیا ہے۔چند اشعار سے بات واضح ہو جائے گی:

مرسل حق کرد نامش بوتراب
حق یداللہ خواند در ام الکتاب

ہر کہ دانائے رموز زندگیست
سر اسمائے علیؓ داند کہ چیست

فکر گردوں رس زمیں پیما از و
چشم کور و گوش ناشنوا از او

از خود آگاہی یداللّٰہی کند
از یداللّٰہی شہنشاہی کند

ذات او در وازۂ شہر علوم
زیر فرمانش حجاز و چین و روم
حکمراں باید شدن بر خاک خویش
(کلیات اقبال فارسی، ص: ۴۷۔۴۸)

مندرجہ بالا اشعار میں اقبال نے حضرت علیؓ کے چار القاب (ا) ابو تراب (ب) یداللہ (ج) کرار اور در وازۂ علم کو واضح کیا ہے۔ گویا اقبال حضرت علیؓ کی زندگی کی چار صفات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا کہنا ہے:

''اقبال نے اپنے فلسفے کی وضاحت کے لیے حضرت علیؓ کا انتخاب اس لیے کیا کہ ان میں علم، عشق اور عمل (جہاد) تینوں خوبیاں بیک وقت جمع ہو گئی تھیں۔''(۱)

اب سلیم احمد کا کہنا کہ اقبال صرف زور حیدری کو دیکھتے ہیں کہاں تک درست ہے۔ حقیقت میں انھوں نے اقبال کے صرف ایک شعر کو مفروضہ بناتے ہوئے اپنی فکر کی بنیاد اٹھائی ہے:

مرے لیے ہے فقط زور حیدری کافی
ترے نصیب فلاطوں کی تیزی ادراک
(کلیات اقبال اردو، ص: ۶۳۵)

اقبال کی بے چینی اور ''اضطراب مسلسل'' کو اقبال کی زندگی میں تلاش کرتے ہوئے سلیم احمد مزید کہتے ہیں کہ اقبال کو پیشے میں کامیابی نہیں ہوئی جیسی ہونی چاہیے تھی۔ وہ معاشی طور پر بھی مسائل کا شکار رہے۔ ازدواجی زندگے کے مسائل الگ تھے اولاد کا سکون بھی انھیں حاصل نہیں ہو سکا۔ صحت کے مسائل الگ تھے اسی وجہ سے اکسٹھ سال کی عمر میں وفات پا گئے (۲)

سلیم احمد نے اقبال پر پہلا اعتراض یہ کیا کہ وہ پیشے کے اعتبار سے کامیاب نہ تھے اور انھیں معاشی آسودگی کبھی حاصل نہیں ہوئی۔

پہلے تو اس بات کی وضاحت ہونی چاہیے کہ سلیم احمد کون سے پیشے کی بات کر رہے ہیں کیونکہ اقبال وکالت کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً معلمی کے پیشے سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ جہاں تک سرکاری ملازمت کا تعلق تھا جس میں معلمی کا پیشہ بھی شامل تھا انھیں اس لیے تامل تھا کہ یہ کوئی معقول آمدنی کا ذریعہ نہ تھا۔ ان کے نزدیک وکالت کا پیشہ اختیار کیے رکھنے میں بہتر مالی مستقبل کے امکانات تھے۔ دوست احباب کی بھی یہی رائے تھی کہ وہ ملازمت کی بجائے وکالت ہی کی طرف توجہ دیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے وکالت پر اکتفا کر لیا۔

اقبال نے اکتوبر ۱۹۰۸ء میں بطور ایڈووکیٹ کے کام شروع کیا۔ پہلے دس سالوں یعنی ۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۸ء ان کی آمدن بقول ان کے بیس پچیس ہزار ہوئی جو مختلف ضروریات میں صرف ہوئی۔ اس زمانے میں اقبال نے اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں جز وقتی ملازمت بھی قبول کر لی تھی۔ ابتدائی دس سالوں میں چونکہ اقبال وکالت کے پیشے میں نوارد تھے اس لیے اس طرح کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ۱۹۱۶ء میں انھیں وکالت کرتے ہوئے جب آٹھ سال گزر گئے تو ان کے کام میں بہتری آنے لگی۔ مالی سال ۱۷۔۱۹۱۶ء میں پہلی مرتبہ اتنی آمدن ہوئی کہ جس پر ٹیکس واجب ہوا۔ پھر بتدریج وکالت کی آمدنی میں ترقی ہوتی رہی۔ کتابوں سے بھی آمدن ہونے لگی اور یونیورسٹیوں سے بھی۔ ان کی انکم ٹیکس فائل کے حوالے سے جو آمدن کے اعداد و شمار دیئے گئے ہیں ان کے مطابق مالی سال ۱۷۔۱۹۱۶ء سے وفات تک ۲۲ سالوں میں ان کی کل آمدن ۱۹۸۸۴۶ روپے ہوئی۔ اس پر انھیں ۱۹۸۶۱ روپے انکم ٹیکس ادا کرنا پڑا۔ دوسری شادی سے ۱۹۲۴ء میں جاوید اور چھ سال بعد ۱۹۳۰ء میں منیرہ بانو پیدا ہوئی۔ اقبال کی عمر اس وقت ۵۳ سال تھی اور والدہ جاوید اکثر بیمار رہتی تھیں۔ چنانچہ اقبال نے ۱۹۳۱ء میں اپنی جمع شدہ آمدنی میں سے تقریباً ۴۰ ہزار روپے بچوں کے لیے ان کے نام بینک میں جمع کرائے۔ ۱۹۳۴ء کے آغاز میں سات کنال کا ایک قطعہ اراضی ۲۵۰۰۰ روپے میں خرید کر جاوید منزل تعمیر کرایا۔ اس کی تعمیر ۱۹۳۵ء کے آخر تک مکمل ہوئی اور اس پر ۴۲۰۰۰ روپے خرچ ہوئے۔ ان سارے اخراجات کے بعد ان کے پاس تقریباً اَسّی ہزار رہ گیا جس میں وہ اپنے اخراجات پورے کرتے رہے۔

مندرجہ بالا اعداد و شمار کو دیکھتے ہوئے اقبال کو صحیح معنوں میں آسودہ حال تو نہیں کہا جا سکتا تاہم وہ پریشان حال بھی نہ تھے۔

سلیم احمد نے خود اس بات کا آگے چل کر اعتراف کیا ہے کہ وہ کامیابی کے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے مگر وہ دوسروں کے نقشِ قدم پر نہ چلے۔

اب سلیم احمد کا یہ کہنا کہ اقبال پیشے کے اعتبار سے کامیاب نہ تھے کہاں تک درست ہے۔ حقیقت میں اقبال کو اپنے زمانے کی وہ سہولیات حاصل تھیں جنھیں وہ ضروری سمجھتے تھے اور یہ سب وکالت کے پیشے ہی کی بدولت حاصل رہیں۔ رہی بات معاشی آسودگی کی تو اگر اقبال چاہتے تو یہ سب کچھ آسانی سے حاصل کر سکتے تھے مگر انھوں نے کبھی ضرورت سے زائد کام نہ لیا، وکالت کا بھی یہی حال تھا کہ ہر مہینے کی دس تاریخ کے بعد کوئی کیس نہیں لیا کرتے تھے۔ قیام یورپ کے بعد اقبال کی کوشش یہ ہی رہی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تخلیقی سرگرمیوں کی طرف توجہ دیں۔ جاوید اقبال اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''اقبال معقول آمدنی کے کسی ایسے ذریعے کی تلاش میں تھے جو کشاکش روزگار سے انھیں کم از کم اتنی مہلت دے کہ وہ اپنی قوت فکر کا رخ اس عالم کی سمت موڑنے کے قابل ہو سکیں جس کا تعلق تخلیق سے تھا۔ اقبال کی روح کی گہرائیوں میں یہ احساس مضطرب تھا کہ ان کا اصل مقصد شعر کے ذریعہ ایک نیا پیغام عالم اسلام تک پہنچانا ہے۔''(۳)

چونکہ ان کی معاشی ذمہ داریاں زیادہ تھیں اس لیے انھیں زیادہ کام کرنا پڑتا تھا۔ اپنے خط محررہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء بنام مہاراجہ کشن پرشاد میں تحریر کرتے ہیں:

''الور کی ملازمت نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تنخواہ قلیل تھی سات آٹھ سو روپے ماہوار تو لاہور میں بھی مل جاتے ہیں اگرچہ میری ذاتی ضروریات کے لیے تو اس قدر رقم کافی بلکہ اس سے زیادہ ہے، تاہم چونکہ میرے ذمہ اوروں کی ضروریات پوری کرنا بھی ہے، اس واسطے ادھر اُدھر دوڑ دھوپ کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، بڑے بھائی جان جنھوں نے اپنی ملازمت کا اندوختہ میری تعلیم پر خرچ کر دیا، اب پینشن پا گئے، ان کے اور ان کی اولاد کے اخراجات بھی میرے ذمہ ہیں اور ہونے چاہیں، خود تین بیویاں رکھتا ہوں اور دو اولادیں... غرض کہ مختصر طور پر حالات ہیں جو مجھے بسا اوقات مزید دوڑ دھوپ کرنے پر مائل کر دیتے ہیں۔''(۴)

اقبال نے مندرجہ بالا ذمہ داریوں کو بطریق احسن نبھایا اور یہ سب کچھ کامیاب پیشے ہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔

جہاں تک ان کی ازدواجی زندگی کا تعلق ہے تو ان کی پہلی شادی اس وقت طے ہوئی جب ان کی عمر ۱۶ برس تھی اور کریم بی کی عمر ۱۹ برس۔ اقبال اس شادی پر رضامند نہ تھے مگر احتراماً بزرگوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ عمر کے ساتھ ساتھ زوجین کے طبائع میں بھی فرق تھا۔ اقبال کا تعلق ایک متوسط خاندان سے جب کہ کریم بی ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔

۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۵ء تک اقبال نے اپنی ملازمت کے دوران میں جب وہ بھاٹی دروازے کے قریب رہائش پذیر تھے کریم بی نے ان کے ساتھ قیام نہ کیا۔ کریم بی سے کشیدگی کی ابتداء ان ہی ایام میں ہو گئی تھی۔ قیام یورپ کے بعد کا زمانہ اقبال کے لیے تذبذب اور اضطراب کا تھا۔ باپ اور بھائی کی کوششوں کے باوجود اقبال اور کریم بی ایک دوسرے کے قریب نہ آسکے مگر اس کے باوجود اقبال نے کریم بی اور بچوں کے کفاف کی ذمہ داری بخوشی قبول کر لی۔ اقبال کی ابتدائی ازدواجی زندگی واقعی پیچ در پیچ تھی لیکن دوسری اور تیسری شادی کے بعد یہ سلسلہ نہ رہا۔ جاوید اقبال اس حوالے سے کہتے ہیں کہ: انار کلی والا گھر سیالکوٹ کے گھر کی طرح آباد ہو گیا تھا۔ مختار بیگم اور سردار بیگم کے علاوہ ان کی بہن کریم بی بھی یہاں آ گئیں۔ نیز شیخ عطاء محمد کی دو چھوٹی بیٹیوں عنایت بیگم اور وسیمہ بیگم کو سردار بیگم سیالکوٹ سے یہاں لے آئیں جس سے گھر میں رونق ہو گئی۔ یہاں خوشی کے دن گزرنے لگے۔ اقبال شام میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا وقت گزارتے۔ (۵)

اب اقبال کی ابتدائی ازدواجی زندگی کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا کہ اقبال کی ساری ازدواجی زندگی پیچ در پیچ تھی کہاں تک درست ہو گا حالانکہ اقبال کی بعد کی دونوں بیویوں مختار بیگم اور سردار بیگم کے درمیان بہنوں سے زیادہ محبت تھی۔

جہاں تک اولاد کے سکھ کا تعلق ہے تو ان کی پہلی شادی سے دو اولادیں معراج بیگم ۱۸۹۶ء اور آفتاب اقبال ۱۸۹۸ء میں ہوئیں۔ معراج بیگم ۱۹ برس کی عمر میں ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو وفات پا گئیں۔ اب سلیم احمد آفتاب اقبال کے حوالے ہی سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ حقیقت میں اقبال کی اس شادی کی ناکامی کے سبب ان کی اولاد پدرانہ شفقت سے محروم رہی۔ ایسی صورت حال میں بچے ماں کی طرف ہوتے ہیں۔ معراج بیگم اور آفتاب اقبال نے اپنا بچپن اور جوانی کا اپنے ننھیال میں گزارا۔ اس کے بعد وہ اپنے دادا، دادی کے پاس سیالکوٹ میں آ گئے۔ اقبال سے ان کی ملاقات کم ہی ہوتی تھی۔ اس کے باوجود اقبال معراج بیگم سے بہت محبت کرتے تھے۔ معراج بیگم ان حالات پر بہت کڑھتی تھیں۔

آفتاب اقبال کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ ان کی ماں کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے۔ جس کے نتیجے میں اقبال اور آفتاب اقبال کے تعلقات خراب ہوتے چلے گئے اور دوستوں کی طرف سے باوجود کوشش کے ٹھیک نہ ہو سکے۔

نٹشے نے کہا تھا ''ہر فلسفیانہ نظام ایک طرح سے شخصی اعتراف ہوتا ہے'' سلیم احمد نے اس قول کا سہارا لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ: اقبال کی شاعری بھی معروضیت کے باوجود ایک شخصی اعتراف سے زیادہ نہیں۔ (۶)

سلیم احمد آگے چل کر کہتے ہیں: اقبال کی لڑائی اس کی اپنی بے عملی کے خلاف ہے۔ یہ بے عملی شاید ان کی شاعرانہ فطرت کی وجہ سے ہے، شاید ان کے فلسفیانہ مزاج کی وجہ سے ہے، شاید بچپن کے صوفیانہ اثرات کی وجہ سے ہے۔ اس وجہ سے وہ ہر اس چیز سے لڑنا چاہتے ہیں جس نے انھیں ایسا بنایا ہے۔ (۷)

سلیم احمد ایڈلر کے نظریۂ تلافی سے متاثر ہیں ان کی اس تاثر پذیری کو ان ہی کے جملے میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ سچی قوت ہمیشہ کمزوری کے باطن سے پیدا ہوتی ہے۔ سلیم احمد نے اس کا اطلاق اقبال کی شخصیت پر کیا ہے۔ تحسین فراقی نے اس نظریے کو احساس کمتری قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سلیم احمد اس نظریۂ احساس کمتری کے سحر سے آخر عمر تک نہ نکل سکے چنانچہ ''اقبال-ایک شاعر'' ۱۹۷۸ء میں بھی انھوں نے اقبال کی تمام تر قوت، کوشش، ستارہ جوئی، آفتاب گیری اور جدوجہد کو ان کی کمزوریوں کے بطن سے پھوٹتے دیکھا یا ہے۔''(۸)

مسئلہ یہ ہے کہ اگر انسان کے ہر اعلیٰ فعل اور عمل کے باطن میں احساس کمتری ہی کی کارفرمائی کو درست مان لیا جائے تو ایسی صورت میں یہ افعال خود غرضی کے مترادف ہو جائیں گے۔ تحلیل نفسی کا یہ ہی سب سے بڑا مسئلہ ہے کہ نفسیاتی نقاد عالم نفس سے اوپر اٹھنے کی کوشش نہیں کرتا اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو ادھورے انداز میں۔

''اقبال-ایک شاعر'' میں انھوں نے اقبال کی زندگی کی ناکامیوں کی بھی ایک فہرست مرتب کی ہے۔ ان کمزوریوں کے بطن سے وہ شے پیدا ہوتی ہے جسے پیکار کا نام دیا جا سکتا ہے۔ سلیم احمد کا کہنا ہے کہ اقبال کو اپنے اندر جو کمزوریاں نظر آتی ہیں وہ قوم میں بھی نظر آتی ہیں۔ اس ضمن میں تحسین فراقی رقمطراز ہیں:

''چونکہ جنس اور جبلت یعنی جوہر کا عنصر سلیم احمد کے ہاں بہت غالب تھا۔ اس لیے انھوں نے اقبال کے شعری افکار کو بھی ان کے باطن میں تلاش کرنے کی بجائے ان کی نفسیت محض میں تلاش کیا۔ یہ ہی سبب ہے کہ انھیں کہیں تو جنس سے اقبال کی خوفزدگی کی ایسی قیاس آرائی کرنا پڑی اور کہیں ان کے عمل اور حرکت کو ان کی بے عملی اور ناکامی کو ردعمل کے طور پر ایک صورت مغلوب کے طور پر قیاس کرنا پڑا۔''(۹)

سلیم احمد کے ہاں قیاسات اخذ کرنے کا رجحان ابتدا ہی سے موجود تھا جو آخری زمانہ کی تصانیف تک بھی نظر آتا ہے۔ بعض اوقات قیاسات مسائل کے حل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن یہ طریق کار جب ایک حد سے بڑھ جائے تو اس کے خطرناک نتائج بھی برآمد ہو سکتے ہیں۔ سلیم احمد کے ہاں قیاسات کا سلسلہ حد اعتدال سے بڑھا ہوا ہے۔ ان کی مختلف تحریروں سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔ وہ یا تو اپنے کلیے کی تصدیق کے لیے کسی لکھنے والے کے ہاں سے اپنے مطلب کی مثالیں اخذ کر لیتے ہیں یا قیاسات سے کام لیتے ہوئے ایسی نظریہ سازی کرتے ہیں جو محض جزوی صداقت کی حامل ہوتی ہے یا پھر اپنے نظریے کی صداقت ثابت کرنے کے لیے بعض ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن کی واقعاتی صداقت مشکوک یا غلط ہوتی ہے۔

سلیم احمد نے اقبال کو بے عمل اس شعر کے حوالے سے قرار دیا ہے جس میں انھوں نے خود کو ایک مرد تن آسان قرار دیا ہے۔ لیکن سلیم احمد نے اس پر غور نہیں کیا کہ اقبال کا خود کو مرد تن آسان کہنا تو اصل میں ایک طرح کا دلجوئی کا طرز کلام ہے۔ پھر انھوں نے جس مصرعے کا حوالہ دیا اس کے سیاق وسباق کو قابل توجہ نہ جانا:

ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی
کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تیغ بے نیام آیا

دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ اک مرد تن آساں تھا تن آسانوں کے کام آیا
(کلیات اقبال اردو، ص:۴۸۶)

کیا دوسرے شعر میں اقبال کا خود کو مرد تن آسان کہنے کا مفہوم وہی ہے جو سلیم احمد لے رہے ہیں یہ ایک نفسیاتی حربہ ہے جو سب عناصر کو مائل بہ حرکت کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ جو شخص جنگاہ تقدیر سے تیغ بے نیام ہو کر نکلا ہو وہ مرد تن آسان کیسے ہو گیا۔

اقبال کی مشہور نظم ''فلسفہ زدہ سید زادے کے نام'' سے بھی انھوں نے اس نظم کے مخصوص پس منظر کو جانے بغیر وہ مفہوم اخذ کیا ہے جو اقبال کے پیش نظر نہیں تھا۔ یہ نظم اصل میں پطرس بخاری کے اس طرزِ عمل کے خلاف ردعمل کی حیثیت رکھتی ہے جب وہ اقبال کے پاس برگساں کے مشہور مضمون ''فلسفہ قہقہہ'' کا ترجمہ لے کر پہنچے تھے اور فخریہ یہ کہا تھا کہ مشرقی لوگ فلسفہ کیا جانیں، فلسفہ تو اہل مغرب کا امتیاز ہے۔ اب اقبال نے اس کے ردعمل میں جو کچھ کہا اس کا خلاصہ اسی قدر ہے کہ سید زادہ ہو کر فلسفۂ مغرب سے اس قدر مرعوب ہے جب کہ میں برہمن زاد ہونے اور فلسفہ کی رگ رگ سے واقف ہونے کے باوجود فلسفہ زدہ نہیں ہوں۔ اقبال فلسفہ زدہ سید زادے کو تلقین کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے:

دیں مسلک زندگی کی تقویم
دیں سرِ محمدؐ و براہیمؑ

دل در سخن محمدی بند

اے پور علی زبو علی چند؟

(کلیات اقبال اردو، ص:۵۳۱)

سوال یہ ہے کہ اقبال مشرقی اقوام کے مسائل کا حل محض تلوار چلانے تک محدود سمجھتے ہیں جیسا کہ سلیم احمد کا خیال ہے۔ اسلام کی عملیت ایسی کلیت کا نام ہے جو زندگی اور مابعد الطبیعیات کی ہر شق پر حاوی ہو۔ اقبال اس فکر اور فلسفے کے مخالف ہیں جو عقل جزوی کی پیداوار ہے۔ اس نقطے کا اظہار انھوں نے متعدد مواقع پر کیا ہے۔

حقیقت میں اقبال کے ہاں عمل پر زیادہ زور فکر کی بے وقعتی کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک خاص عہد میں مسلمانوں کی حالت کے پیش نظر ہے۔ اقبال مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا مقام دلانے کے لیے عمل کی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں عمل پر اصرار فکر کو پس پشت ڈالتی نظر آتی ہے۔ لیکن اقبال کے ہاں عمل فکر سے بے تعلق ہز گر نہیں ہے۔ ان کی فکر کے تمام اجزاء ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ان کے دیئے ہوئے فلسفۂ حیات کے اعتبار سے فرد کی زندگی کا آغاز ہی فکر سے ہوتا ہے۔ وجود کیا ہے؟ فقط جوہر خودی کی نمود، فرد کو شروع ہی میں غور و فکر کے ذریعے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے جوہر خودی کی نوعیت کیا ہے؟ پھر اس نوعیت کے مطابق اسے اپنے جوہر کی تربیت اور تکمیل کرنا ہے۔ تکمیل کے لیے عشق یعنی کسی نصب العین سے گہرا لگاؤ ضروری ہے۔ اس کے لیے فرد اور قوم کو مسلسل تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر عمل زندگی کی پہچان بن جاتا ہے۔ عمل سے خالی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔

اقبال جب اس معیار سے اپنی قوم کو دیکھتے ہیں تو وہ انھیں بے عمل اور ناکام نظر آتی ہے نہ صرف ماضی کے مسلمانوں میں بلکہ حال کے اہل مغرب کے مقابلے میں بھی۔ اقبال نے اپنے آپ پر بھی گفتار کا غازی، بے عمل اور تن آسان ہونے کا الزام رکھا ہے۔ یہ الزام محض طریقِ اظہار کی حیثیت رکھتا ہے۔ نظیر صدیقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اقبال کی مفروضہ بے عملی اور ناکامی کی نوعیت کا صحیح طور پر تعین کیے بغیر سلیم احمد نے ان کی بے عملی اور ناکامی کے جو اسباب ان کی ذاتی زندگی میں جس طرح ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے وہ نفسیاتی تجزیے کی کوئی اچھی مثال نہیں ہے... کسی کی ذاتی زندگی کے کم سے کم علم پر نفسیاتی تجزیے کی بنیاد رکھنا ہی خطرناک ہے۔''(۱۰)

سلیم احمد نے اس مضمون میں بنیادی سوال یہ اٹھانے کی کوشش کی ہے کہ اقبال کی شاعری میں عمل کو فکر پر جو برتری حاصل ہے۔ اسے اقبال کے باطن میں کہاں تلاش کیا جائے۔ دوسرے اگر اقبال عمل طور پر ناکام تھے، انھیں وہ معاشی سکون حاصل نہ ہو سکا۔ ان کی عائلی زندگی میں مسائل تھے۔ بیٹے سے بھی تعلق ٹھیک نہیں تھا۔ صحت بھی خراب رہی اور وہ صرف اکسٹھ برس میں وفات پا گئے تو ان واقعات کو اقبال کے فلسفہ عمل میں کیسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔

مضمون کے آخر میں سلیم احمد نے اقبال کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ شاعری عمل سے زیادہ بڑا کارنامہ ہے کیونکہ اس میں عمل کا پیغام ہے۔ دوسرے وہ ایسے عمل کے طور پر سامنے آتی ہے جو ہر ایک کے نصیب میں نہیں۔

حوالہ جات

1۔ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، ''شرح اسرار خودی''، لاہور، عشرت پبلشنگ ہاؤس، ص:۴۱۴۔۴۱۵

2۔ ''اقبال کی ایک داخلی تصویر''، مشمولہ ''اقبال-ایک شاعر''، لاہور، قوسین، 1987 ص:۵۲

3۔ جاوید اقبال، ''زندہ رود''، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۱ء، ص:۱۴۲

4۔ اقبال بنام مہاراجہ کشن پرشاد، مشمولہ ''اقبال بنام شاد''، مرتبہ محمد عبداللہ قریشی، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۶ء، ص:۷۶

5۔ جاوید اقبال، ''زندہ رود''، ص:۱۶۷

6۔ ''اقبال-ایک شاعر''، ص:۵۳

7۔ ایضاً، ص:۵۳

8۔ تحسین فراقی، ''سلیم احمد کی تنقید نگاری''، مشمولہ ''روایت نمبر ۴''، ص:۵۷۹

9۔ ایضاً، ص ص ۵۸۷۔۵۸۸

10۔ نظیر صدیقی، ''اقبال-ایک شاعر''، مشمولہ ''تفہیم و تعبیر''، ص:۱۱۹